مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنؤ)

اسلام اور مسلمانوں کا سچا وفادار

امیر شریعت آج ہماری اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اور ان کو ہمارے کسی خراج عقیدت اور تحسینی تذکرے کا انتظار بھی نہیں ہے۔ جو چیز اس دوسرے عالم میں ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق ہے اور جس کا پہنچنا بھی ان شاء اللہ یقینی ہے وہ اچھی ساعتوں میں ان کے لئے رحمت و مغفرت کی پرخلوص دعائیں اور اعمال خیر کے ثواب کا ہدیہ ہے اور یہی ان کی محبت کا ان کے محبین پر خاص حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حق کے ادا کرنے کی توفیق دے۔

اسی کے ساتھ یقین ہے کہ ان کی بعض ایمانی خصوصیات اور ان کی زندگی کے بعض واقعات کا تذکرہ ان شاء اللہ زندوں کے لئے ضرور نافع ہوگا۔ اسی امید پر یہ سطریں ایک عزیز سے بطور املا لکھا رہا ہوں۔

عظمت رسالت ﷺ کا نگہبان

جہاں تک اب یاد آتا ہے اخبارات میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سب سے پہلے اس ناچیز نے اس وقت پڑھا جب لاہور کے ایک دریدہ دہن آریہ سماجی نے اللہ کے آخری رسول ﷺ کے خلاف ایک نہایت گندی اور رسوائے عالم کتاب لکھ کر شائع کی۔ اس کتاب کا نام بھی خبیث اور دل آزار تھا۔ کہ کوئی شریف آدمی خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو دلی تکلیف کے بغیر وہ نام نہیں لے سکتا تھا۔ ہندوستان کی فرقہ وارانہ فضا شدھی اور سنگھٹن کی تحریک نے پہلے ہی سے خراب کر دی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مسلمانوں میں سخت ہیجان بلکہ طوفان برپا کر دیا۔

اس سلسلے میں امیر شریعت نے لاہور میں ایک تقریر کی تھی اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ پردہ نشین خواتین نے اپنے بچے ان کے قدموں میں ڈال دیئے تھے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے ناموس پر قربان کر دو۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس تقریر پر گرفتار کر لئے گئے ان پر مقدمہ چلا اور بالآخر ایک سال سخت قید ہوئی۔ بہر حال جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے میرے دل میں ان کی محبت کا بیج اسی واقعے کے بعد پیدا ہوا۔

قبول خواص

یہاں تک کہ ایک وقت انجمن خدام الدین لاہور کے جلسے میں (جس میں پنجاب کے علمائے حق کی ایک بڑی تعداد شریک تھی) سید صاحب امیر شریعت بنا دیئے گئے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم دین اور سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیو بند کے صدر و شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ العلماء حضرت مولانا انور

شاہ کشمیری قدس سرہ نے بھی بحیثیت امیر شریعت ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اخبار میں خبر پڑھ کر قدرتاً سید صاحب کی عظمت و اہمیت میرے دل میں پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی۔ اور دید و ملاقات کا اشتیاق بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ان کے نام کے ساتھ بخاری اور شاہ کے دو پر عظمت ضمیمے لگے ہونے کی وجہ سے میرا تصور اس وقت ان کے بارے میں یہ تھا کہ ان کی شکل و صورت بخاری علماء کی سی اور وضع و ہیئت مشائخ طریقت کی سی ہو گی۔ لیکن اتفاق کی بات عرصہ تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ میں ۱۹۳۰ء میں امروہہ ضلع مراد آباد میں مدرس تھا۔ حسن اتفاق کہ اس سال جمعیتہ العلماء ہند کا اجلاس امروہہ میں ہونا طے ہو گیا۔ اس زمانے میں مجھے جمعیتہ العلماء اور اس کے کاموں سے خاصی دلچسپی تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ چند ہی مہینے پہلے آل انڈیا کانگریس نے اپنے لاہور کے اجلاس میں ۱۹۲۸ء والی اس نہرو رپورٹ کو منسوخ قرار دے کر جس کی بناء پر ۱۹۲۹ء میں جمعیتہ العلماء ہند بھی کانگریس سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ آزادی کامل کی تجویز پیش کی تھی۔ اور پھر اس کے بعد گاندھی جی نے نمک سازی کی شکل میں انگریزی اقتدار کے خلاف سول نافرمانی کی جنگ گجرات سے شروع کر دی تھی۔
بہر حال اس ماحول میں یہ اجلاس امروہہ میں ہونے والا تھا۔

ایک اہم واقعہ

ادھر ایک بات اسی درمیان میں یہ ہو چکی تھی کہ مولانا محمد علی جوہر مرحوم اور جمعیتہ العلمائے ہند دہلی کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ جمعیتہ العلماء ہند دہلی کے مقابلے میں ایک دوسری جماعت جمعیت علماء بنا لی گئی تھی۔ جس کے صدر خود مولانا محمد علی مرحوم تھے۔ یہ کش مکش ناسنجیدگی میں کسی حد تک جا چکی تھی۔ اس کا اندازہ بس اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ جمعیتہ علماء ہند دہلی کا اجلاس امروہہ میں جن تاریخوں میں ہونا طے ہوا تھا۔ انہیں تاریخوں میں امروہہ ہی میں اس دوسری جماعت کا اجلاس بھی طے کیا گیا اور ہوا۔ اور خود مولانا محمد علی مرحوم نے اس کی صدارت کی جمعیتہ کا اجلاس شروع ہونے سے ایک دن پہلے ہی قریبی مقامات سے جمعیتی رضا کاروں کے جتھے انتظام کے لئے آنا شروع ہو گئے۔

میرے وطن سنبھل کا ایک جتھا ایک دن پہلے پہنچنے والا تھا۔ اس میں سے بعض آدمی علی الصبح پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہمارا جتھہ ایک جلوس کی شکل میں امروہہ میں داخل ہو۔ اس جلوس میں کچھ اونٹ ہوں اور ان پر نقارے ہوں اس لئے ہمارے واسطے اونٹوں اور نقاروں کا انتظام کیا جائے۔ (دراصل سنبھل پور کے رضا کار اس طرح کے حجازی جلوس نکالا کرتے تھے۔) ہم لوگ جو اس وقت امروہہ میں اجلاس کے کاموں کے ذمہ دار تھے ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا۔ قریباً ۸-۹ بجے صبح کا وقت تھا مجلس استقبالیہ کے دفتر میں بیٹھے ہم اسی مسئلے پر مشورہ کر رہے تھے کہ اونٹوں اور نقاروں والا یہ حجازی جلوس یہاں نکالنا مناسب ہے یا نہیں میری اور اکثر کارکنوں کی رائے اس وقت کے حالات میں جلوس کے حق میں تھی۔ ہم سب کے مخدوم اور ہر حیثیت سے بزرگ حافظ عبدالرحمن صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میں امروہہ (رحمتہ اللہ علیہ) کی

رائے نہیں تھی۔ وہ اس کو فقاہت اور سنجیدگی کے خلاف سمجھتے تھے۔ یہ مشورہ جاری تھا کہ اچانک دو حضرات دفتر میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک تو مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے اور دوسرے صاحب کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ جسم پر از سرتاپا کھدر کا لباس جسم پہلوانوں کا سا۔ میں سمجھا کہ یہ مفتی صاحب کے ساتھ کوئی رضاکار ہیں۔ اتنے میں خود مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں یہ سن کر خصوصاً میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ میرے تصور میں تو ان کی صورت اور وضع بخارا کے کسی مقدس شیخ خانقاہ کی سی تھی۔ مصافحہ اور ملاقات کے بعد بڑی بے تکلفی سے شاہ جی نے ہم لوگوں سے فرمایا کیا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا کہ ہم لوگ ایک چھوٹے سے مسئلے پر غور کر رہے ہیں۔ "سنبھل" کے رضاکاروں کا جتھہ آرہا ہے۔ وہ اس طرح کا جلوس نکالنا چاہتا ہے۔ ہم میں سے کچھ کی رائے یہ ہے کہ نکلنا چاہیئے اور بعض اسے ٹھیک نہیں سمجھتے۔ شاہ جی نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ اس وقت کے مفتی ہم ہیں ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسا جلوس نکالنا چاہیئے منگواؤ اونٹ اور نقارے۔ ایک اونٹ پر میں خود بیٹھوں گا۔

تقریر یا سحر

اس عاجز کی سب سے پہلی ملاقات شاہ جی سے یہی تھی اور اس کے انداز و مزاج کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ جہاں تک یاد ہے یہ جمعہ کا دن تھا۔ جلوس کی تیاریاں فوراً شروع ہو گئیں۔ اور اسی شان سے جلوس نکلا اور پورے بازار کا اس نے گشت کیا۔ مشورہ سے یہ بھی طے کر لیا گیا تھا کہ آج بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں شاہ جی کی تقریر ہو گی (واضح رہے کہ اجلاس بھی جامع مسجد میں ہونے والا تھا)

جلوس نے ہی شاہ جی کی تقریر کا اعلان کیا۔ اس زمانے میں شاہ جی کی اخبارات میں بہت دھوم تھی اور ان کی زندگی کے بعض واقعات نے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے حلقہ کو ان کا نادیدہ عاشق بنا دیا تھا۔ پھر امروہہ میں بلکہ ہمارے اس علاقے میں شاہ جی کی یہ پہلی آمد تھی۔ اور اس دن امروہہ میں کوئی دوسرا بڑا جلسہ بھی نہیں تھا۔ (کیونکہ دونوں جمعیتوں کے بڑے جلسے کل سے شروع ہونے والے تھے) اس لئے شاہ جی کی تقریر سننے کے لئے آج بہت سے لوگ ایسے بھی آگئے جن کی دلچسپی دوسری جانب تھی اور جمعیت العلماء ہند کے وہ سخت مخالف تھے۔

نماز جمعہ کے بعد تقریر شروع ہوئی۔ یہ پہلی تقریر تھی جو اس ناچیز نے شاہ جی کی سنی اس میں ان شاء اللہ کوئی مبالغہ نہیں کہ پورا مجمع مسحور تھا۔ جمعیتہ العلماء کے مخالفین کی طرف سے اس وقت خاص طور پر دو باتوں کا پروپیگنڈہ کیا گیا تھا۔ ایک یہ کہ یہ لوگ کانگریس اور ہندوؤں سے مل جانے والے ہیں اور دوسرے یہ کہ دیوبندی، وہابی اور نجدیوں کے حامی ہیں۔ دشمن رسول ہیں (معاذ اللہ) اس دوسری بات کے اچھالے جانے کی خاص وجہ یہ تھی کہ دوسری جماعت کے اجلاس کا داعی اتفاق سے امروہہ کا عنصر تھا۔ جن کے نزدیک دیوبندی، وہابیوں کی تکفیر کے سوا مسلمانوں کی زندگی کا کوئی دوسرا مسئلہ قابل توجہ نہیں تھا۔ شاہ جی کے علم میں یہ صورت حال ہم لوگوں کے ذریعے آچکی تھی۔ اس لئے ساری تقریر کا محور یہی دو مسئلے رہے۔ اس تقریر نے

لوگوں کو اتنا متاثر کیا کہ پوری زندگی میں کسی کا اتنا اثر مجھے یاد نہیں۔ رسول ﷺ دشمنی والے ناپاک اتہام کے سلسلے میں کچھ کہتے ہوئے جب شاہ جی نے مولانا جامی کے دو شعر اس موقع پر پڑھے تو دو آدمی تڑپ کر بے ہوش ہو گئے جن کو بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔ یہ تقریر ڈھائی گھنٹے تک ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ اس پہلی تقریر نے سینوں کو انگریز دشمنی کے جذبے سے بھر دیا اور امروہہ کی فضاء کو جمعیتہ کے حق میں اور آزادی کی جنگ میں شمول کے لئے آمادہ کر دیا۔ اس فضا میں اس تجویز کے پاس کر لینے میں سب سے زیادہ حصہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہی کا تھا۔ عام خاص مجالس کی اس شخص کی تقریروں نے کایا پلٹ دی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا بندہ تقریر نہیں سحر کر رہا ہے۔

بعض مخصوص ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ شاہ جی کی گرفتاری کے احکام آگئے اور وہ اجلاس ختم ہونے کے بعد روانگی کے وقت گرفتار کر لئے جائیں گے۔ چونکہ طے شدہ پالیسی یہی تھی کہ وہ حتی الامکان اپنے آپ کو گرفتاری سے بچائیں۔ اس لئے یہ چال چلی گئی کہ آخری رات کے آخری اجلاس کے لئے ان کی تقریر کا خاص طور پر اور بار بار اعلان کیا جائے۔ اور اس طرح عوام کو مشتاق بنانے کے ساتھ پولیس کو بھی شاہ جی کے بارے میں مطمئن کر دیا جائے۔ اور ہوا یہ کہ شاہ جی ایک بڑے عجیب و غریب طریقے پر دن ہی میں امروہہ سے نکل گئے اور امروہہ کا اسٹیشن چھوڑ کر ایک دوسرے قریبی اسٹیشن سے انہوں نے سفر کیا۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوا کہ ان کی روانگی کا انتظام کرنے والے دو چار آدمیوں کے سوا اپنوں میں بھی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ رات کو مولانا احمد سعید دہلوی کی تقریر شروع ہوئی۔ اس دن مولانا کی تقریر بھی بڑی غیر معمولی قسم کی ہوئی۔ اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا رہا کہ مجمع بڑی بے چینی کے ساتھ شاہ جی کی تقریر کا منتظر اور مشتاق ہے۔ مولانا نے رات کے قریباً دو بجا دیئے۔ اور ایک دفعہ کلائی کی گھڑی کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔

"اوہو دو بجنے کے قریب ہیں۔ لو بھئی السلام علیکم۔ اب شاہ جی کی تقریر پھر کبھی سن لینا" یہ سن کر پولیس والے بھی ہکا بکا رہ گئے۔ شاہ جی نے امروہہ سے نکل کر ایک طوفانی دورہ کیا۔ وہ عرصہ تک گرفتار نہ ہو سکے۔ انہوں نے تقریباً پورے شمالی ہندوستان کا دورہ کر لیا۔ ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی میں جو ہزارہا مسلمان جیل گئے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان کی بہت بڑی تعداد تنہا شاہ جی کی ہی پرجوش اور آتشیں تقریروں کے حساب میں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی تاثیر اور کشش دی تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ اپنے اسی دورہ میں غالباً بدایوں بھی گئے۔ مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی مرحوم کے مہمان ہوئے۔ معلوم ہے کہ موصوف اپنے بدایونی مسلک میں کتنے پختہ تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (بریلوی حضرات کی اصطلاح کے مطابق) ٹھیٹھ وہابی ہیں اس کے علاوہ مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا بدایونی مرحوم امروہہ کے اجلاس میں کانگریس کی جنگ آزادی میں شریک ہونے والے ریزولیشن کے اہم مخالفین میں تھے۔ لیکن اس اختلاف (مسلک اور سیاسی رائے) کے باوجود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں اور ان کے خلوص سے ان کا قلب اتنا متاثر تھا کہ کھانے کے لئے ہاتھ دھونے کے لئے خود لوٹا ہاتھ میں لے کر شاہ جی کے ہاتھ دھلاتے

تھے اور اپنے شدید اصرار سے شاہ جی کو اس معاملہ میں مجبور کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ دونوں پر اپنی رحمت فرمائے۔

یہ جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات درمیان میں آگئی تھی۔ ورنہ ذکر ان کے ۱۹۳۰ء کے دورے کا ہو رہا تھا۔ انہوں نے پنجاب سے بنگال تک کا دورہ کیا اور بنگال جا کر گرفتار ہوئے۔ اور گرفتار ہو کر وہیں علی پور جیل میں رہے۔

یہاں یہ بھی بات قابل لحاظ ہے کہ شاہ جی اور اسی طرح ان کے خاص رفقاء کو اپنی اس جدوجہد اور قربانی سے اس کی امید بالکل نہیں تھی کہ کانگریس اور اس کے لیڈروں کی طرف سے اس کا اعتراف بھی کیا جائے گا۔ وہ اس قربانی کے ذریعے کوئی پوزیشن حاصل کریں گے۔ بلکہ اس کے برعکس انہیں سابق تجربوں کی بناء پر پورا یقین تھا کہ کوئی ایسا مسلمان کانگریس میں کوئی پوزیشن حاصل نہیں کر سکتا جو اسلام اور مسلمانوں کا بھی پورا وفادار اور اس موضوع پر لڑ جانے والا ہو۔ اور بالکل یہی چیز سامنے آئی۔ ۱۹۳۰ء کی جنگ آزادی کے بعد دوسری گول میز کانفرنس سے پہلے گاندھی اروِن پیکٹ ہوا اور سارے سیاسی قیدی رہا کئے گئے۔ اور اس کے بعد کراچی میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ہوا۔ تو پنجاب کانگریس نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت یہ کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے رفیقوں کو کانگریس کے نظام سے دور رکھا۔ یہاں تک کہ کراچی کے اجلاس میں یہ لوگ صرف شاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے رفقاء کے سامنے اس جدوجہد اور قربانی کا محرک صرف یہ تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے بے دخل کرنے کے لئے ایک لڑائی جاری رہے۔ ہمیں اس مقصد کی خاطر اس میں حصہ لینا چاہیئے۔ حضرت شیخ الہند سے لے کر سید عطاء اللہ شاہ تک اس قافلے کے تمام ہی مجاہدین نے اس کو سامنے رکھ کر قربانیاں دی تھیں۔ اور اسی بنیاد پر وہ جدوجہد اور قربانیوں کو اعلائے کلمۃ الحق کی جدوجہد اور قربانی سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتے تھے۔

مقامِ نبوت

توحید، رسالت، قیامت اور تمام عقائد، عبادات اور معاملات اسلام کی اصل ہیں۔

میرا استدلال یہ ہے کہ:

ان تمام مسائل کی تعریف اور تعین نبوت کرتی ہے۔ اگر نبوت بدل سکتی ہے تو یہ سب کچھ بدل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حلال و حرام بھی بدل سکتا ہے۔

(امیرِ شریعتؒ)